رجسٹرنمبر ایل ۹۲۲

ٹیلیفون نمبر ۲۰

تار کا پتہ

"انجمن" علی گڑھ

ہماری زبان

انجمن ترقی اردو ہند کا پندرہ روزہ اخبار

فی پرچہ دو آنے

سالانہ چندہ دو روپے

جلد ۳	یکم مئی ۱۹۵۵ء	ایڈیٹر۔ قاضی عبدالغفار	۸ رمضان المبارک	نمبر ۹

اردو کلچر

(ڈاکٹر مسعود حسین خاں)

"اردو کلچر" کی اصطلاح ہم نے ہماری زبان کے صفحات میں کئی بار استعمال کی ہے۔ یہ توضیح طلب ہے۔

ممکن ہے بعض لوگوں کو اس میں ڈوبے جادوئیں محسوس ہو، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ اصطلاح خالص ہندی ماحول میں ابھری ہے اور اس کی تہہ میں لسانیاتی تصور کارفرما ہے۔ ہر چند کسی ملک کے کلچر کے تار و پود میں ایک سے زیادہ زبانیں بھی ہو سکتی ہیں، لیکن یہ تاریخی حقیقت ہے کہ گھلی ہوئی قومیتوں اور تمدنوں کے لئے واحد زبان کی بنیاد زیادہ کارآمد ہوتی ہے۔ گزشتہ سات آٹھ سو سال کے تاریخی عمل سے شمالی ہند اور دکن کے وسیع علاقے میں ایک ایسے تمدن کی بنیادیں استوار ہو گئی ہیں جن کی تہہ میں اردو زبان موجود ہے۔

اس زبان کے کچھ طبعی پہلو ہیں اور کچھ ذہنی اور معنویاتی۔ اس کے طبعی پہلو جو اس کی صوتیات، اور قواعد کی شکل میں پائے جاتے ہیں، آج بھی تا حد یہ دو رنگ کی شکل میں موجود ہیں۔ ہندوستان کی بہت کم زبانیں اس قدر کثیر الصوت یا کثیر الالفاظ ہیں جس قدر کہ اردو۔ اس کا اثر اس کی نظم و نثر کے اسالیب پر بھی پڑا ہے جو تنوع کے لحاظ سے دیگر ہندوستانی زبانوں کے اسالیب کے مقابلے میں زیادہ ممتاز ہیں۔

لیکن اردو کا ایک ذہنی اور معنویاتی پہلو بھی ہے۔ وسیع النظری اور رواداری جس کا آج مہذب دنیا میں بھی فقدان پایا جاتا ہے، اردو کلچر کی نمایاں خصوصیت ہے۔ یہ وسیع النظری کبھی "موحد" کے "مترک رسوم" کی شکل میں سامنے آئی ہے، اور کبھی اس رندانہ مسلک کے رنگ میں جس نے قیدحیات و بند غم دونوں کا سنجیدہ ایا ہے۔ اس رندانہ مسلک کو لاابالی پن سے تعبیر کرنا ستم ہوگا۔ اس کی تہہ میں معتقدات کی یگانگت اور انسان پرستی کا وہ تصور کار فرما ہے جس نے ہمیشہ دیر و حرم سے پرے اپنا قبلہ گاہ ڈھونڈھا ہے۔ اس یگانگت اور تصورات سے عام طور پر ہندوستانی کی دوسری زبانوں کا ادب خالی رہا ہے۔ ہندوستانی کے علاقے کی یہ سب سے بڑی تاریخی دین ہے ———— اردو کلچر کی ایک دوسری خصوصیت ہے ہمہ اور بابہمہ کا وہ مخصوص انداز ہے جس نے اس علاقے کی زندگی کو رنگا رنگی بخشی ہے یا کثرت میں وحدت کا جلوہ دکھایا ہے۔ تمدنی لین دین جس قدر ہندوستانی کے علاقے میں ہوا ہے، ہندوستان کا کوئی دوسرا علاقہ اس کی ہمسری نہیں کر سکتا۔ صدیوں کے میل جول کے بعد ہماری اخلاقی زندگی کا جو بھاؤ مقرر ہوا ہے اس کا سب سے اچھا ضامن اردو ادب ہے، جس نے انسانیت دوستی، وطن پرستی، مروت اور رواداری کی قدروں کو عام کیا ہے۔

اردو زبان کو ہندوستانی علاقے کے تقریباً تمام فرقوں نے اپنے مذہبی معتقدات اور سیاسی تصورات کو عام کرنے کے لئے استعمال کیا ہے۔ اس پر کسی ایک فرقے، مذہب یا سیاسی جماعت کا ٹھپہ نہیں۔ آج اس کی لذت ستم کوشی تو دیکھئے کہ اس کے مخالفین خواہ مخواہ اس کو آلۂ کار بنا کر اس کی مخالفت کر رہے ہیں۔ لیکن اس کی مخالفت دراصل ان قدروں کی مخالفت ہے جو صدیوں کے پر پیچ عمل میں متعین ہوئی تھیں۔ کچھ پتہ نہیں آنا کہ ان کے بغیر ہماری آئندہ نسلیں کیا ہوں گی؟

اردو کا مسئلہ کیسے حل ہو؟

(نثار احمد فاروقی)

ابتدا میں کچھ دنوں یہ اہم سوال اردو بولنے والوں کی دل چسپی کا مرکز رہا کہ نئے ہندوستان میں اردو کا مقام کیا ہے؟ اور مستقبل کیا ہے؟ لیکن بات کسی نتیجے پر پہونچنے سے پہلے ہی ختم ہو گئی۔ کچھ لوگ بہانگ دہل یہ کہتے رہے کہ ہم اردو کے مستقبل سے ہرگز مایوس نہیں ہیں۔ اور اپنی آواز میں انھوں نے کچھ اتنی دھمک، اتنا اثر اور سنجیدگی پیدا کرنے کی کوشش کی کہ جو لوگ اردو کے مستقبل سے مایوس تھے، انھیں لب کشائی کی ہمت ہی نہ ہوگی۔ لیکن دو تین سالوں کے اندر ہی ان سورماؤں کی آوازیں تھک گئیں۔ اور اب تو کان منتظر ہیں کہ کوئی چلا کر یہ کہے۔

"ہم اردو کے مستقبل سے ہرگز مایوس نہیں
ہیں نئے ہندوستان میں اردو کو پنپنے اور پھلنے
پھولنے کے تمام مواقع حاصل ہیں!"

دیکھتے دیکھتے ایسی ہوا چلی کہ یوپی کے تمام سرکاری محکموں میں، پھر اسکولوں میں اور نجی کاروبار میں سب جگہ ہندی چھا گئی۔ اردو کا سائن بورڈ تک نظر نہیں آتا۔ اس کا علاج یہ ہوا کہ چپکے چپکے اکیس لاکھ دستخط انجمن ترقی اردو (ہند) نے یوپی سے حاصل کئے۔ لیکن دستخطوں کے اس پلندے کا اب اس کے سوا کیا ہوگا کہ وہ ردی میں بکے یا دیمک کی غذا بنے!

مایوسی کے تیرہ و تار ماحول میں ایک امید کی کرن ابھی دو مہینے پہلے تک جھلملا رہی تھی۔ وہ کرن تھی دہلی اسٹیٹ میں اردو کے مطمئن اور محفوظ ہونے کی۔ لیکن فلک ناہنجار سے یا ہماری سرکار سے یہ بھی نہ دیکھا گیا، اور وہ کرن بھی اندھیرے کے دامن سے لوٹ لی گئی جس کا مطلب یہ ہوا کہ کشمیر سے راس کماری تک اور بلوچستان سے برما تک یعنی سالم ہندوستان میں بھی اردو کا مقام کہیں نہیں رہا ہے! جیسے اردو کوئی زبان ہی نہیں تھی اس کا وجود دنیا میں کہیں ہے ہی نہیں۔

اب کام یوں تو چلتا ہی نہیں کہ ہم ہندی دوستوں اور اردو دشمنوں کے سامنے اعداد و شمار پیش کرتے رہیں کہ یوپی میں اردو بولنے والے اتنے ہیں، اور سی پی میں اتنے، یا یہ ڈھونس جمائیں کہ ہندوستان میں اردو کے اخبار اور رسالے سب سے زیادہ چھپ رہے ہیں۔ یا اردو نے سرشار، چکبست اور فراق کو پیدا کیا ہے۔ یا یہ کیا ہے یا وہ کیا ہے یہ تو نہ کوئی حربہ ہے نہ کوئی دلیل ہے، نہ اس طرح اردو کا تحفظ ممکن ہے۔ اردو کے لئے یہ نزع کا وقت ہے۔ نزع کے عالم میں یہ سب ترکیبیں بے سود ہوں گی۔ اب تو ایک ہی راہ نجات ہے۔ ایک ہی حربہ ہے۔ ایک ہی علاج ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اس وقت اردو کے سوال کو ایک عوامی تحریک کا رنگ دے دیا جائے۔ اسے اخباروں کے دفتروں اور ملکروں کے دماغوں سے نکال کر بازاروں میں آزادانہ چھوڑ دیا جائے۔ ورنہ ہماری یہ نسل جو آزادی کے بعد بالغ ہوئی ہے۔ بس یہی اردو سمجھ رہی ہے اور بول رہی ہے۔ اور اس کی وجہ سے ہی اندازہ ہو رہا ہے کہ اردو زندہ ہے۔ جو نسلیں آنے والے پانچ سالوں میں بالغ ہوں گی۔ انھیں آبا کے منھ سے صاف و سلیس اردو سن کر اچنبھا ہوگا۔ اور ان کی نسلیں تو کتابوں میں پڑھیں گی کہ دادا میاں ایک ایسی زبان بولتے تھے۔ جو دنیا کے کسی خطے کی علاقائی زبان نہ تھی۔ جو فرقہ پرستوں کی زبان سمجھ کر جلا وطن کر دی گئی۔ اور جب اسے جلا وطن ہو کر بھی چین نہ ملا تو بحیرہ عرب میں ڈوب کر مر گئی۔

کچھ لوگ کہیں گے کہ "اردو عوامی تحریک" کس طرح شروع کی جائے یہ بات اگر سنجیدگی کے ساتھ پوچھی جائے تو اس کا جواب سنجیدگی کے ساتھ ہی دیا جا سکتا ہے، اور اگر یہ بھی ایک پھبتی ہے، جیسا کہ مسلمانوں کی سیاست کا رنگ ہمیشہ رہا ہے تو اس کا جواب اور ہوگا

سنجیدہ بات تو یہ کہ کنونشن، کانفرنس، جلسہ جلوس، دستخط اور انگوٹھا نشان سب پر لعنت بھیجی جائے، اور دو وادیر کے لئے چار آدمیوں کو جمع کر کے یہ سوچا جائے کہ اردو کے ساتھ ہماری سات سو سالہ تہذیب کا عظیم الشان محل مسمار ہو رہا ہے۔ ہندوستانی کلچر کا وہ مزاج جو سات سو سال کی شیر و شکر زندگی گزارنے کے بعد بنا تھا۔ اسے مسموم تو انگریز کی سیاست نے کر دیا تھا۔ لیکن اب وہ مسموم ہونے کے ساتھ متعفن بھی ہو رہا ہے۔ فرقہ پرست عناصر کی بدولت یہ وہ عناصر ہیں۔ جنھیں انگریز نے پالا اور دنگل میں لڑنے کے لئے تیار کیا۔ تو کیا آپ یہ گوارا کریں گے کہ آپ کا یا آپ کے بعد آنے والی نسل کا مزاج آپ سے مغائر ہو؟ باپ یہ کبھی گوارا نہیں کرتا کہ اس کا بیٹا بدعتی یا دہریہ اٹھے۔ استاد اسے برداشت نہیں کر سکتا کہ اس کے شاگرد کل اسی کے نظریات کو فنا کریں گے؟

یہ بات اس لئے ناقابل برداشت نہیں ہوتی کہ اپنے نظریات کے خلاف کیوں ہے۔ بلکہ اس کے ساتھ اُن روایتوں، اچھی روایتوں کے ختم ہو جانے کا خوف ہوتا ہے۔ جو ہماری زندگی میں قدم قدم پر حوصلہ بڑھاتی ہیں۔

یہ خیال کہ اردو مسلمانوں کی زبان ہے اب تک باطل ثابت کیا گیا ہے۔ لیکن اب اسے سچ مان لینا چاہئے، اگر مسلمانوں کی زبان نہیں تھی تو اب ہے۔

تاج محل بھی مسلمانوں کا ہے۔ قطب مینار بھی مسلمانوں کا ہے

جامع مسجد بھی مسلمانوں کی ہے۔ غالب اور میر بھی مسلمانوں کے ہیں۔ اقبال اور حالی بھی مسلمانوں کے ہیں۔

رتن ناتھ سرشار اور برج نرائن چکبست بھی مسلمانوں کے ہیں۔ ہندوستان میں رہ کر مسلمان کی کس کس چیز سے دامن بچایا جا سکتا ہے۔ مسلمان کا مزاج تو ہندوستان کے ذرے ذرے کا مزاج بن چکا ہے۔ کاشی اور متھرا کی مٹی کو بھی اٹھا کر سونگھو گے تو مسلمان کی بو آئے گی۔ ہردوار اور کیدار ناتھ کے درو دیوار کو بھی غور سے پڑھو گے تو اس میں ایک رنگ خفی یا جلی ایسا ضرور ملے گا جو مسلمان نے بھرا ہوگا۔ ذرا مسلمان کی ایک ایک روایت کو نوچ کر تو پھینک دو۔ ہندوستان کے دامن سے اس تہذیب کی جڑیں تو گولر کے درخت کی طرح زمین کے اندر اندر ہزاروں میل تک پھیلی ہیں۔ مسلمانوں کا اپنا کوئی مزاج نہیں۔ وہ کسی ماحول کی مخلوق نہیں تھا بلکہ ماحول کا خالق تھا۔ اس نے تہذیبیں پیدا کی ہیں۔ تہذیبوں نے اسے پیدا نہیں کیا۔ آج مسلمان، مصوری میں، رقص میں، مصنائی میں، شعر و ادب میں ــــ صنعت و حرفت میں، تجارت و معیشت میں۔ غرض زندگی کے ہر شعبے اور ہر پہلو پر چھایا ہوا ہے۔ ہر جگہ اس نے اپنے نقوش چھوڑے ہیں اگر مسلمان کی پرچھائیں، ناگوار ہے تو ہندی ادب میں سے عبدالرحیم خان خاناں اور ملک محمد جائسی کو نکال باہر کرو۔ کیا فرق پڑتا ہے اس سے؟ اچھا ہی ہوگا کہ تمہارا قدیم کلاسیکی ادب شدھ ہو جائے گا۔ مسلمان بڑا کٹر اور مغرور تھا اس نے کبھی کسی بات کو ہندو مسلم پیمانوں میں نہیں ناپا۔ ہندی ادب کو بھی سہارا دے کر دو صدی آگے تک پہونچا گیا۔ شاید بیوقوف تھا یہ مسلمان۔ خیر اب تم اس کو ہندوستان کی ... سب سے بڑی اقلیت تسلیم کر چکے ہو جو یہاں ساڑھے چار کروڑ کی تعداد میں ہے۔ یہ معمولی مسئلہ تو نہیں ہے۔ اگر گھٹنے بیٹھو گے تو وہ جیتم دکار رہوں گے۔ اس مسلمان کو اس کی زبان اردو دے دو، اس کو حق دے دو کہ وہ اردو کو چلا سکے، اس کی اولاد کو اردو پڑھنے دو اسکولوں میں، کالجوں میں، کچہریوں میں، دفتروں میں مسلمان کو اردو بولنے لکھنے پڑھنے اور اردو میں کاروبار کرنے کی اجازت دے دو۔

یہ ہے وہ کام کی بات، وہ مطالبہ جو عوام کو حکومت سے کرنا ہے، ہم اردو صوبہ نہیں چاہتے۔ کوئی نئی تقسیم نہیں چاہتے، نہ ہم نے کبھی کسی تقسیم کا مطالبہ کیا ہے۔ ہندوستان کی پہلی تقسیم بھی ہمارا مطالبہ نہیں تھا۔ وہ فرقہ پرستوں کا مطالبہ تھا۔ ہم فرقہ پرست نہیں ہیں فرقہ پرور ہیں۔

اب گھر میں بیٹھ کر چیخ و پکار کرنے سے کام نہیں چلے گا، ہاتھ مل مل کر کوسنے سے کام نہیں چلے گا جبر کرنے سے بھی کام نہیں چلے گا۔ اگر اردو تہذیب کے علمبردار یہ چاہتے ہیں کہ ان کی تہذیب زندہ رہے ان کی زبان زندہ رہے۔ ان کی نسلیں اسے فراموش نہ کریں تاریخ میں آنے والا وہ بڑا تہذیبی انقلاب رک جائے جس کے نتائج ایک صدی کے بعد نہایت بھیانک ہوں گے تو اردو کے سوال کو وقت کا سب سے بڑا سوال بن جانا چاہئے آج اردو کے تمام پریس کو ان لوگوں کا ساتھ دینا چاہئے جو اردو کے سوال کو لے کر اٹھیں۔ اور اردو کے سوال اٹھانے والوں کو چاہئے کہ وہ اسے سیاسی اسٹنٹ نہ بنائیں۔ نئے نئے رنگ اس تحریک میں نہ بھریں، اس تحریک کو خانوں میں تقسیم نہ کریں۔ نہ اپنے سیاسی اور مذہبی عقائد کی عینک لگا کر دیکھیں۔ اردو کا مسئلہ بس اردو کا مسئلہ ہے۔ متحدہ قومیت کا مسئلہ ہے۔ ہندوستان کی سات سو سالہ پرانی عظیم الشان تہذیب کا مسئلہ ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ یہ مسئلہ سیاست سے بھی دور ہے مذہب سے بھی۔

لیکن بڑی آفت یہ ہے کہ مسلمانوں میں بے غرض قیادت نہیں رہی ہے۔ یہ بھی مجھے نظر آ رہا ہے کہ کچھ لوگ اس سوال کو اپنے سیاسی اقتدار کا ذریعہ بنانا چاہتے ہیں۔ کچھ شہرت و ناموری کے طالب ہیں۔ کچھ کونسل کی ممبری کے۔ ضرورت تو اس بات کی ہے کہ فاقہ کش، سر پھرے، اور پاگل لوگ جن کے پیش نظر ذاتی مفاد نہ ہو وہ اس کے لئے قربانیاں دیں اور نہ گھبرائیں اس بات سے کہ انھیں جیل جانا پڑے گا یا ڈنڈے کھانے پڑیں گے۔ یہ نامرادی میں جی چھوڑنا پڑے گا۔ کچھ بھی نتیجہ ہو۔ دھن میں کمی نہ آئے ــــ ہے کوئی جو اس سوال کو لے کر اٹھے؟ (الجمعیۃ)

اردو دشمنی کا خطرناک رجحان

آزادی کے بعد ہندی ہماری سرکاری زبان مقرر ہوئی۔ ہم نے دل ما شاد۔ اگر اکثریت کی تمنا یہی تھی تو یہی سہی، ہندی اردو کی ماں ہے کوئی وجہ نہ تھی کہ اردو والے ہندی کی مخالفت کرتے۔ اگرچہ دل [illegible] کہ آزادی کے بعد سرکاری زبان وہ ہوتی جس نے آزادی دلانے [illegible] زیادہ حصہ لیا، جو سب قوموں کی مشترکہ زبان ہے۔ اور جو مختلف قوموں کے سیکڑوں برس کے میل ملاپ کا نتیجہ ہے۔ لیکن چونکہ یہ بات [illegible] کے تقاضوں کے خلاف ہے کہ اپنی پسند کو زبردستی منوانے کی کوشش کی جائے۔ اس لئے اردو والے بھی خاموش رہے اور یہ سوچا کہ جیسے پچھلے زمانے میں انگریزی سرکاری زبان تھی اور عام کاروبار اردو میں ہوتا [illegible] اب بھی رہے گی۔

لیکن معلوم نہیں بعض لوگوں کو اردو سے خدا واسطے کا بیر کیوں ہو گیا کہ آج کل وہ اپنی تمام طاقتیں اردو کو ختم کرنے اور نقصان پہنچانے میں صرف کر رہے ہیں۔ اور لطف یہ کہ اردو کی مخالفت بھی اردو ہی میں کرتے ہیں۔ یہ تنگ نظری اور جہالت کا یہ رجحان ملک کی ترقی اور خود سرکاری زبان ہندی کے لئے بہت نقصان رساں ہے۔ اور اس کا ابھی سے سدباب نہ کیا گیا تو ہو سکتا ہے کہ یہ تنگ نظری ایک طوفان بن کر ملک کی ترقی اور خوشحالی کے سارے منصوبوں کا خاتمہ کر دے۔

ہمارے وزیر اعظم پنڈت نہرو حق پسند حق گو اور ملک و قوم کے

ہے جو خیر خواہ ہیں۔ اس لئے اگر ان سے یہ درخواست کی جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ ان کو سب سے پہلے اس تنگ نظری اور خواہ مخواہ کی دشمنی کے سیلاب کے آگے بند باندھنا چاہئے، اور اس کام کو کرتے وقت بد باطنوں کی ریشہ دوانیوں کی کوئی پروا نہیں کرنی چاہئے کیونکہ قوم ان کے ساتھ ہے۔

(منادی دہلی)

ہندی کے نادان دوست

مسٹر راج گوپال آچاریہ ان چند سیاسی اور بلند سیاست دانوں میں ہیں جن پر بجا طور پر ملک فخر کر سکتا ہے۔ وہ ایک صاف اور سلجھے دماغ کے مالک ہیں۔ ان کی ساری زندگی تعصب، تنگ نظری اور خود غرضی سے پاک رہی ہے۔ انھوں نے ہمیشہ ملک کی سچی خدمت کو اپنا آدرش بنایا ہے۔ اس لئے ان کی رائے کو برابر اہمیت اور وقار کی نگاہوں سے دیکھا گیا ہے اور تجربے نے بتایا ہے کہ ان کی رائے ہمیشہ صائب اور ملکی مفاد کے حق میں مفید ثابت ہوئی ہے۔ چنانچہ ابھی انھوں نے زبان کے مسئلہ پر ایک مقتدر اخبار ''سوراجیہ'' میں ایک مضمون لکھا ہے۔ اس میں انھوں نے ہندی کے پریمیوں کو مشورہ دیا ہے کہ وہ زبردستی اور عجلت کے ساتھ غیر ہندی والے علاقوں پر ہندی مسلط کرنے کی کوشش نہ کریں۔ اس سے نہ صرف یہ کہ ہندی زبان کو نقصان ہوگا، بلکہ باہمی منافرت کی خلیج وسیع ہو جائے گی۔

انھوں نے کہا کہ سب سے پہلے ہندی زبان کے خزانے کو مالا مال کرنے کی ضرورت ہے۔ ابھی ہندی اس قدر ابتدائی دور سے گزر رہی ہے کہ وہ انگریزی تو کجا مراٹھی، ملیالم اور بنگلہ کی ہمسری کا بھی دعویٰ نہیں کر سکتی اور جب ہندی زبان اس قدر ترقی کرے گی کہ وہ سارے ملک کی زبان بن سکے تو خود بخود اس کو اپنا مقام حاصل ہو جائے گا۔

راج جی نے آل انڈیا ملازمتوں کے مقابلہ کے امتحانوں میں تمام مضامین کے لئے ہندی ہی استعمال کرنے کی تجویز کی شدت سے مخالفت کی ہے اور کہا ہے کہ اس تجویز سے غیر ہندی والوں کو بڑا شدید نقصان ہوگا۔

راج جی کا یہ مشورہ اپنی جگہ پر نہایت اہم ہے۔ اور ضرورت ہے کہ ہندی کے نادان دوست اور حکومت اس کی طرف توجہ دے۔ کیونکہ حکومت اور ہندی کے حامی جس ڈھنگ سے ہندی نہ جاننے والوں پر زبردستی تھوپنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس کا انجام نہایت خراب ہوگا اور ہو سکتا ہے کہ اس سے ایک مستقل کشمکش اور کشیدگی کا آغاز ہو جائے۔ انگریزوں نے رفتہ رفتہ انگریزی زبان کو ہندوستان میں رائج کیا۔ چونکہ خود انگریزی زبان ہمہ گیر، وسیع اور لچک دار تھی۔ اس لئے یہ بہت جلد ہندوستان کی زبان ہو گئی۔ اور لوگ خود اور شوق کے ساتھ انگریزی زبان سیکھنے لگے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج بھی ایک دوسرے کو سمجھنے اور سمجھانے کے لئے انگریزی ہی کا سہارا لیا جاتا ہے۔ ہندوستان کی تعمیر و ترقی میں انگریزی زبان کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ اور صرف اس لئے کہ یہ ایک وسیع اور امیر زبان ہے۔ تکمیل علم انگریزی زبان کا محتاج ہے۔

راج جی نے بالکل صحیح بات کہی ہے کہ ابھی ہندی ایام طفولیت سے گزر رہی ہے۔ ایسی صورت میں دوسری زبانوں پر اس کو مسلط کرنا نہ صرف یہ ایک طرح کی لسانی سامراجیت ہے بلکہ خود ہندی کی ترقی کی راہ مسدود کر دینا ہے۔ اگر ہندی کے حامی اور حکومت یہ چاہتی ہے کہ ہندی زبان ملک میں نہ صرف انگریزی کی جگہ لے سکے بلکہ اس کو عوامی زبان کی حیثیت حاصل ہو جائے تو اس کے ہندی ادب کا سرمایہ انگریزی کے برابر کرنا ہوگا اور اُسے عوام سے زیادہ سے زیادہ قریب کرنا ہوگا۔

آج ہندوستان میں ہندی ادیبوں اور شاعروں اور مصنفوں کا تقریباً فقدان ہے۔ چوٹی کے لکھنے والے زیادہ تر انگریزی یا اردو یا بنگلہ کے ہیں۔ ہندی کا کوئی مصنف نہرو، سروجنی نائیڈو یا ٹیگور یا مولانا آزاد کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ جب ہندی کی تنگ دامنی اور غربت کا یہ عالم ہے کہ خود پارلیمنٹ میں سارے وزرا اور ممبر انگریزی میں تقریر کرتے ہیں۔ اور کبھی ہندی میں کچھ کہہ دیا تو اس کی وضاحت کے لئے پھر انگریزی ہی کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ تو ایسی صورت میں ہندی کو سارے ملک کی زبان کیسے بنایا جا سکتا ہے۔

اس لئے ہندی کے حامیوں کا فرض ہے کہ وہ پہلے ہندی کا معیار اتنا بلند کریں کہ وہ ہندوستان جیسے ترقی یافتہ وسیع اور با وقار ملک کی قومی زبان بننے کی اہل ہو جائے۔ اگر انھوں نے ہندی زبان کا معیار بلند کر دیا اور اس کے خزانے کو مالا مال کر دیا تو یہ خود بخود ہندوستان کی قومی زبان بن جائے گی۔ اور انگریزی کی جگہ لے گی۔ لیکن اگر اس طرح کے بجائے عجلت سے یا زبردستی مسلط کرنے کی کوشش کی گئی تو اس کا ردعمل خود ہندی اور ملک کے وسیع مفاد کے خلاف ہوگا۔

(ساتھی پٹنہ)

مقابلہ کا امتحان ہندی میں

کوئی صحیح الدماغ شخص مشکل ہی سے یقین کرے گا کہ چند پڑھے لکھے اور سیاست داں کانگریسیوں نے حکومت ہند کے سامنے اس مطالبہ کی تجویز رکھی ہے کہ اعلیٰ سرکاری ملازمتوں کیلئے مقابلے کا جو امتحان ہوا کرتا ہے وہ ہندی زبان میں لیا جائے! اب حکومت کو کوئی کیا کہے گا جو اس تجویز کو قبول کرے گی؟ اس سوال کا جواب مرکزی حکومت کے ارکان محترم کو دینا ہوگا۔

یہ بات تو بتانے کی نہیں ہے کہ مقابلے کے امتحان میں وہی نوجوان شریک ہوتے ہیں جو انٹر، بی۔ اے یا ایم۔ اے

پاس ہوں۔ اور یہ بھی بتانے کی نہیں ہے کہ اب تک ملک کے تمام صوبوں کے ہائی اسکولوں تک میں ہندی زبان ذریعہ تعلیم نہیں رکھی گئی ہے اور نہ ... ایک عرصے تک رکھی جاسکتی ہے۔ کالجوں میں پورا کورس ہندی میں پڑھائے جانے کا سوال، اب تک چند ہی دماغوں میں چکر کاٹ رہا ہے عمل کسی ایک کالج میں بھی نہیں ہوا۔ ان دونوں مسلمات کو ملحوظ رکھ کر ذرا سوچئے کہ اس بدبخت امیدوار پر کیا گزرے گی جس نے ایف۔ اے

اور بی۔ اے کا کورس تو ہندی میں نہیں پڑھا، مگر مقابلے کے امتحان میں بیٹھے تو اسے اس کی پرچے بھی ہندی زبان میں ملیں اور اسے جوابات بھی ہندی زبان میں ہی لکھنے پڑیں۔

کیا بقول راجہ جی کے یہ شرط جبر نہیں کہی جائے گی؟ ہماری رائے میں تو اسے جبر نہیں کہا جائیگا۔ بلکہ ظالمانہ حماقت سے تعبیر کیا جائیگا۔ ایسی حماقت جس کا دنیا میں کوئی جواب نہ ہو۔ (خلافت بمبئی)

دلّی اور اردو

حال ہی میں درگاہ شریف حضرت خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی میں درگاہ کے صدر جانشین اور ادارہ نظامیہ کے صدر پیر ضامن نظامی ... کی طرف سے دہلی کی نئی وزارت کے استقبال و اعزاز میں ایک دعوت شیرینی اور جلسہ و مجلس قوالی منعقد ہوئی جس میں دہلی صوبہ کے حاکم اعلیٰ شری اے ڈی پنڈت آئی سی ایس چیف کمشنر، شری مہتہ انسپکٹر جنرل آف پولیس شری اے۔ اے۔ فیضی بیرسٹر ممبر یونین پبلک سروس کمیشن، مہاشہ ... ایڈیٹر ہندوستان ٹائمز ... یوسف دہلوی مالک و مدیر ماہنامہ شمع، الور صابری، شری گوپی ناتھ امن ... سابق وزیر حکومت دہلی، شری جگن ناتھ آزاد، لیسل سیٹی ڈپٹی، ڈاکٹر ایس۔ این رشی ایم۔ ایل۔ اے، شری بشیشور دیال ماتھر میونسپل کمشنر، شری ایس۔ ایل کپور صدر نئی دہلی ڈسٹرکٹ کانگریس کمیٹی اور دہلی اسمبلی و ڈپٹی دہلی کے بہت سے ممبران بہت سے ممبران اور شہر کے بہت سے سرکردہ ہندو، مسلم، سکھ معززین نے شرکت کی۔ دہلی کے وزیر اعلیٰ سردار گورمکھ نہال سنگھ اور وزیر انصاف و تعلیم و ترقیات چودھری برہم پرکاش نے بھی دعوت طعام شیرینی میں شرکت فرمائی۔ سب حضرات کھانا کھا کر مشائخ منزل درگاہ شریف میں جلسہ استقبالیہ اور مجلس قوالی کے لئے جمع ہوئے۔ جہاں پیر ضامن نظامی نے معزز حاضرین کا استقبال و خیر مقدم کیا۔ اور اس کے بعد ادارہ کے سکریٹری پنڈت آنند موہن گلزار زتشی دہلوی نے استقبالیہ تقریر کی جس میں انھوں نے حسب ذیل خوشخط پر روشنی ڈالی۔

"جناب چیف کمشنر صاحب جناب گورمکھ نہال صاحب خواتین و حضرات!

یہ تو آپ بخوبی جانتے ہیں کہ آج درگاہ شریف کے ادارہ نظامیہ کی طرف سے دہلی کی نئی وزارت کے استقبال و اعزاز میں یہ دعوت و جلسہ منعقد ہوا ہے۔ ادارہ نظامیہ ایک اتحاد و رواداری اور مذہبی یک جہتی کی منھ بولتی اور جیتی جاگتی تصویر ہے جس میں دہلی کے ہندو مسلم اور سکھ حضرات سیکڑوں کی تعداد میں ممبر ہیں۔ اور یہ خادم نیاز مند کاشمیری پنڈت برہمن زادہ سات سال سے اس کا سکریٹری ہے۔ آج اسی ادارہ کی جانب سے دہلی کے نئے وزیروں کو مدعو کیا گیا ہے۔ یوں تو پیر ضامن نظامی صاحب نے ان حضرات کا استقبال کیا ہی ہے۔ مگر چند باتیں جو آپ کے استقبال میں صفائی سے کہی جانی ضرور تھیں وہ رہ گئی ہیں انھیں کو عرض کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔

اس درگاہ میں صرف حضرت خواجہ نظام الدین اولیا ہی کا مزار نہیں ہے بلکہ انھیں کے ہمنشیں اور ہم عصر اور جانشین مرید حضرت خواجہ امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ کا بھی مزار اقدس ہے۔ حضرت امیر خسرو ایک صوفی فقیر بھی تھے فلسفی بھی، مصور و فنکار بھی، موسیقار بھی اور اردو و ہندی کے بانی معمار اور پہلے شاعر اور کوی بھی۔ ہندی والے انھیں ہندی کا پہلا شاعر کہتے ہیں اور اردو والے اردو کا۔ اُن کے پیر حضرت نظام الدین نے جو انسانی عالمگیر اخوت اور مذہبی رواداری کی تلقین فرمائی تھی اور اسی لئے ایک مشترکہ قومی میلہ بسنت تہوار، کو مروج کیا تھا۔ اسے پھیلانے کے لئے ایک مشترکہ تہذیب، باہمی میل جول اور رواداری، ہندو مسلم اتحاد اور مذہبی مفاہمت کی ضامن ایک نئی اور جاندار فضا پیدا کی اور اس کی ضمانت و بقا کے لئے ایک سیکولر ڈیموکریٹک یعنی غیر مذہبی اور غیر متعصب جمہوری اور سماجی زبان کی بنیاد ڈالی۔ جسے اردو کہتے ہیں۔ اور آج سے گیارہ سو سال پہلے اس زبان کی بنیاد ڈالی صحیح ڈیموکریسی کا نعرہ اسی صوفی فقیر نے اردو زبان کے ذریعہ بلند کیا جس میں ہندو مسلمانوں کا مشترکہ حصہ اور خون شامل ہے۔ جس میں عربی، فارسی، ترکی، سنسکرت اپ بھرنش، مختلف پراکرتیں، برج بھاشا، کھڑی بولی، ماگدھی، سورسینی بہاری، پالی وغیرہ زبانوں کے میل جول اور ربط و ضبط سے گنگا جمنی زبان بنائی۔ جس میں تمام تر افعال کریہ (Verbs) برج بھاشا اور کھڑی بولی و جسے اب ہندی کہتے ہیں) کے ہیں اور تشبیہ و محاورہ، اساطیر روایات کے نقش و نگار و تلمیحات دوسری بہت سی مشرقی و مغربی زبانوں کے ہیں۔ گو کثرت فارسی کی ضرور ہے۔ مگر دنیا بھر کی دسیوں بیسیوں زبانوں

کے الفاظ انھیں میں موجود ہیں۔ جو ہم پڑھے لکھے اور ان پڑھ سبھی روزمرہ اردو یا ہندی سمجھ کر بولتے ہیں۔ مثلاً اِنا سنسکرت ہے۔ وکیل عربی۔ چاقو ترکی۔ کبوتر فارسی۔ گودام۔ الماری۔ نیلام پرتگالی۔ کمرہ اطالوی۔ قمیض۔ پاجامہ۔ میز۔ کرسی وغیرہ یونانی۔ سنگا۔ گجراتی۔ چٹا پنجابی۔ تمباکو امریکن۔ ٹین۔ کوٹ۔ واسکٹ۔ اسٹیشن۔ سیمنٹ۔ ریڈیو وغیرہ انگریزی۔ یہ اور ایسے ہزاروں الفاظ پچاسیوں زبانوں کے ہم روز بولتے ہیں جن کا مختلف ملکوں اور قوموں مذہبوں اور فرقوں سے تعلق ہے اور یہ سب اردو کی سیکولر ڈیموکریٹک زبان بنانے کے معاون اجزا ہیں۔ محاورہ میں چولی دامن کا ساتھ اور دانت کاٹی روٹی ان دو ہی محاوروں کو دیکھئے۔ چولی لفظ برج بھومی کا، دامن ایران کا، دانت فارسی کا تو کاٹی اور روٹی کی رٹ، خالص کھڑی بولی اور ہندی۔ مگر ان کے ملاپ سے کیسا حسین محاورہ بنا کہ شیخ و برہمن ایک ہوگئے۔ مقصد ان باتوں کے عرض کرنے کا یہ ہے کہ آج آپ دہلی میں جس درگاہ میں تشریف لائے ہیں۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں سے صدیوں پہلے اس فقیر نے جسے طوطیٔ ہند خواجہ امیر خسرو کہتے ہیں اس زبان کی بنیاد ڈالی جو خاص ہندوستانی زبان ہے۔ مخصوص دہلوی زبان ہے۔ اور سب فرقوں اور مذہبوں کے اتحاد کی ضمانت اور امانت ہے۔ جس میں ہمارے آج کے حاکم اور وزرا اسی شہر میں خیانت فرمانے کی طرف رجوع نظر آتے ہیں۔ بھلا بتائیے حضرات اگر آپ کے یا میرے حلق میں ہاتھ ڈال کر کوئی مردود ہماری زبان نکالنا چاہے تو آپ کو اور مجھے کتنی تکلیف ہوگی اور ہم اپنی حفاظت کے لئے کیا کچھ نہیں کریں گے۔ یہاں کسی ایک فرد کے حلق کی زبان نکالنے کا سوال نہیں ہے بلکہ دہلی کے حلق سے آج دہلی کے ذمہ دار دلی کی زبان کھینچ لینا چاہتے ہیں۔ یہ امانت میں خیانت نہیں تو اور کیا ہے۔ یہ دہلی کے خزانے پر ڈاکہ زنی نہیں تو اور کیا ہے۔ آج　　دہلی کی اسمبلی سے، دہلی کی میونسپل کمیٹی سے دہلی کے اسکولوں سے کالجوں سے ہسپتالوں سے۔ دہلی کی پولیس اور عدالتوں سے اردو کو دیدہ دلیری سے نکال کر پھینکا جا رہا ہے۔ مگر آپ کو علم ہونا چاہئے کہ ابھی دہلی کے قدیم ہزاروں اور لاکھوں مہذب و شائستہ کشمیری پنڈت، کھتری بنئے اور کایستھ حضرات بالخصوص موجود ہیں۔ جو اس ظلم اور ناجائز حرکت کو ہرگز برداشت نہیں کریں گے۔ اس نازک مسئلہ پر اہل دہلی صف آرا ہوں گے ستیہ گرہ کریں گے اور آئندہ انتخابات کے موقعوں پر سمجھ سوچ کر ہی قدم اٹھائیں گے۔ شاید ہمارے انسپکٹر جنرل پولیس مہتہ صاحب جو یہاں موجود ہیں۔ انھیں پھر انھیں لوگوں کی نگرانی کرنی پڑے گی جن کی نگرانی ان کا محکمہ ۱۹۴۷ء تک کرتا تھا جنھوں نے انگریز کے خلاف جدوجہد کر کے آزادی حاصل کرنے میں امداد کی اور پچھلے آٹھ برسوں میں پارلیمنٹ۔ اسمبلی اور میونسپل کمیٹی میں آپ کانگریسی رہنما حضرات کو ووٹ لا کر برسر اقتدار پہنچایا۔ مگر شدہ اور تشویش اس حد تک محکم ہوگئے ہیں کہ شاید ان حالات میں جو اگر نہ سدھرے تو یہی لوگ یعنی یہی لوگ خود آپ کو بنانے والے آپ کے مقابل احتجاجی صف میں صف آرا ہوں گے اس لئے کہ اب ہم یہ ہرگز خاموشی سے برداشت نہیں کریں گے۔ وزرا اور لیڈر تو ہم کے پاس گلی کوچوں میں جواب دہی اور ووٹوں کی طلب گاری کے لئے نہیں جاتے۔ وہاں میرے جیسے رضاکار والنٹیر اور ورکر جاتے ہیں۔ اور الیکشنوں میں ایک ایک دن میں چھ چھ تقریریں کرتے ہیں۔ نوجوانوں کی تنظیم کرتے ہیں اور آپ کو کرسی وزارت تک پہنچاتے ہیں۔ مگر افسوس کہ ہمارے شہر میں ہماری حکومت میں ہمارے ہی سامنے ہمارے بزرگوں کی زبان اس طرح مٹائی جائے اور ہم احمق بنے رہیں۔ ہندی ہمارے سارے ملک کی قومی اور سرکاری زبان ہے۔ اس کو فروغ دینا ہر ہندوستانی کا فرض ہے اردو کے تمام ادیب اور شاعر اسے تسلیم کر چکے ہیں۔ مگر کیا وجہ ہے کہ بنگالی، تامل، تلگو، ملیالم، کنّاڈا، مراٹھی، گجراتی اور دوسری زبانوں کی طرح اردو بھی زندہ نہ رہے۔ کیوں دہلی، یوپی، پنجاب اور بہار میں جہاں یہ پہلے عدالتی اور سرکاری زبان تھی اب اس سے اس کے حقوق چھین لئے جائیں۔ دہلی اور اس کے قرب و جوار کے مواضعات اور علاقوں کی یہ ایک خاص قدیمی اور پیدائشی زبان ہے۔ اسے علاقائی اور صوبائی طور پر دہلی حکومت اور سرکار کے لئے کیوں نہیں سرکاری قرار دیا جاتا۔ دہلی سے دہلی کا حق نہ چھینئے۔ مشترکہ تہذیب کی حفاظت کے لئے اور سیکولر ڈیموکریسی کی تقویت کے لئے اس سیکولر ڈیموکریٹک زبان کو عزت کے ساتھ محفوظ رکھنا ہی ہوگا۔ آخر ہمارے آئین نے اور پارلیمنٹ نے اس حق کو جب دو عالم کے کاغذوں پر تحریری طور پر تسلیم کیا ہے تو عملی طور پر ہماری روزمرہ زندگی میں اس پر عمل اور نیک نیتی سے عمل کیوں نہ ہو۔ اگر ہندوستان میں ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی، یہودی، پارسی، بدھ اور جین مذاہب کے حضرات کو ایمان داری سے رکھنا منظور ہے تو آئین میں تسلیم شدہ سولہ ہندوستانی زبانوں کو ترقی دینا مقصود ہے تو دہلی میں اردو کو سرکاری اور علاقائی زبان قرار دیا جائے اور دوبارہ اسمبلی۔ میونسپل کمیٹی۔ پولیس عدالت اور اسکولوں اور کالجوں میں اسے ۱۹۴۷ء سے پہلے کی طرح بحال کیا جائے ورنہ دہلی کی سرزمین سے جوالا مکھی پھوٹ پڑنے کا اندیشہ ہے۔

آپ اس موقع پر جب چیف کمشنر صاحب وزیر اعلیٰ اور دوسرے وزرا اور نیز پولیس انسپکٹر جنرل اور اسمبلی و میونسپل کمیٹی کے بہت سے ممبران مزار خسرو پر جمع ہیں۔ میں بہ حیثیت سکریٹری ادارہ نظامیہ ان کا استقبال کرتے ہوئے ان کی توجہ اس تشویشناک صورت حال کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں اور آپ سے پرخلوص اور ایماندارانہ اپیل کرتا ہوں کہ آپ ایمانداری سے اس کا تدارک کیجئے۔ اور دہلی کے تمدن، تہذیب، زبان اور روایات کو بچائیے۔

میں ہوں آپ کا مخلص نیاز کیش

(گلزار زتشی دہلوی)

خبریں

بھورو اضلع بلیا نصیر الحق صاحب بھوروی نے دینی تعلیم کی اہمیت کے سلسلے میں اخبارات کو بیان دیتے ہوئے کہا ہے کہ:۔

موجودہ نظام تعلیم ہمارے لئے مہلک ہے۔ اس کے ذریعہ ہم اپنی قومی خصوصیات کو برقرار نہیں رکھ سکیں گے اور تاریخ کا یہ فیصلہ ہے کہ کوئی قوم اپنی خصوصیات کو کھو دینے کے بعد زندہ نہیں رہتی اس لئے اگر ہم نے دینی تعلیم کا بندوبست نہیں کیا اور اپنی زبان کی حفاظت کے لئے انتہائی جدوجہد نہیں کی تو ہمارے بچے سب کچھ بن سکیں گے مگر خاکم بدہن الحفیظ مسلمان کوئی بھی نہیں بن سکے گا اور یہ اتنا بڑا قومی نقصان ہوگا جس کی تلافی قیامت تک نہ ہو سکے گی بھورو امیں۔

دینی تعلیمی اجلاس کے ساتھ ایک مشاعرہ بھی ہوگا جس میں ملک کے مشاہیر شعرا شرکت فرمائیں گے۔ ادبی اجلاس میں زبان کے اہم مسائل پر غور کیا جائے گا اور اردو کو علاقائی زبان تسلیم کرانے کے لئے عملی اقدامات کا بھی ایک پروگرام بنایا جائے گا۔

دینی تعلیمی اجلاس کے افتتاح کرنے کی درخواست قوم کے محبوب رہنما مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے قبول فرمالی ہے اور صدارت کی درخواست مولانا شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی ایڈیٹر "معارف" دار المصنفین اعظم گڑھ نے منظور کی ہے۔ اس اجلاس کی تاریخ ۸ مئی مقرر کی گئی ہے۔ اور مجلس استقبالیہ نے اس کی تیاریاں شروع کر دی ہیں۔ مشاہیر سے مراسلت ہو رہی ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ اجلاس اپنے نتائج کے لحاظ سے مفید ہوگا۔ اہل بھورو سے جلسہ کو کامیاب بنانے کی اپیل ہے۔

حسب ذیل شعرائے کرام شریک بزم ہوں گے۔

عارف عباسی بلیاوی، نذیر بنارسی، دل لکھنوی، شفیق الہ آبادی قیصر الہ آبادی، راہی غازیپوری، ماہر بنارسی، فضا ابن فیضی مئوی، انجم مئوی، نشاط سیمابی، نشاط مہرولوی، اسیر ادروی، منظور نازش منظر سرائے، آصف بلیاوی، ظہیر مفتاحی بلیاوی، علمی بلیاوی، سروش خاکی بلیاوی، شفیق جونپوری، جوہر کنتوری، جگر گورکھپوری، مداحیہ شاعر شوق بہرائچی،

ناخدائے سخن حضرت نوح ناروی مشاعرے کا افتتاح فرمائیں گے اور صدارت کے فرائض حضرت مولانا انور صابری انجام دیں گے۔

دہلی ۱۵ اپریل کی صبح ۱۱ بجے انجمن ترقی اردو کے زیر اہتمام ایک وفد آنریبل سردار گورمکھ نہال سنگھ وزیر اعلیٰ دہلی سے "دہلی حکومت میں اردو کی موجودہ حیثیت کے سلسلے میں ملا"۔

اس وفد میں مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ایم۔ پی۔ حضرت جوش ملیح آبادی، شریمتی رادھا رمن ایم۔ پی، لالہ شیام ناتھ صاحب بیگم انیس قدوائی۔ سردار دیوان سنگھ مفتون۔ پنڈت۔ اے۔ ایم زتشی گلزار۔ بیگم حمیدہ سلطان شامل تھے۔

وفد نے پون گھنٹہ تک وزیر اعلیٰ سے ملاقات و گفتگو کی اور کہا۔ "دہلی میں ہمیشہ سے اردو کچہری دفاتر اور بول چال کی زبان رہی ہے جو اس زبان ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی سرکاری حیثیت بھی ہے۔ اس لئے آزادی کے بعد جب دہلی میں بھی جمہوری حکومت قائم ہو چکی ہے۔ اردو کی حیثیت پہلے کی طرح رہنی چاہئے۔ دہلی حکومت کے بعض اعلانات اور کچھ افسروں کے رویہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اردو کو ناجائز طور پر نظر انداز کیا جا رہا ہے اور یہ طریق کار غلط اور تشویشناک ہے۔ دہلی میں ملک کی سرکاری زبان ہندی اور دہلی کی مقامی زبان اردو دونوں کو برقرار رکھا جائے۔

وزیر اعلیٰ نے فرمایا کہ دہلی میں مقامی اور کلچرل زبان کا مسئلہ طے کرنے کے لئے ایک کمیٹی بنائی گئی ہے جس میں دوسرے ممبران کے علاوہ شری گوپی ناتھ امن، میر مشتاق احمد ایم۔ ایل۔ اے اور مرزا محمود بیگ بھی شامل ہیں جب تک اس کمیٹی کا فیصلہ برآمد ہو اور حکومت دہلی کوئی واضح پوزیشن اختیار کرے۔ اس وقت تک ہندی کے ساتھ ساتھ اردو کی موجودہ پوزیشن کو قائم رکھا جائے گا۔ وفد نے

وفد نے وزیر اعلیٰ کی توجہ کو اسکولوں میں اردو کی تعلیم، سڑکوں کے نام، دفتروں کے بورڈ، سرکاری اعلان نوٹس اور عدالتی استعمال کی طرف دلائی۔ جو تشویشناک ہوتی جا رہی ہے۔ موصوف نے یقین دلایا کہ زبان کی کمیٹی کے فیصلے تک حکومت کی جانب سے کوئی ایسا قدم نہیں اٹھایا جائے گا جسے اردو کی موجودہ حیثیت میں فرق آئے حالانکہ یہ یقین دلایا گیا ہے کہ فی الحال دہلی میں اردو کی حیثیت جوں کی توں رہے گی۔ مگر ممبران وفد کا خیال ہے کہ صورت حال تسلی بخش نہیں ہے اور اردو والوں کو اس کی جانب سے اطمینان نہیں ہو سکتا جب تک کہ دہلی کی حکومت اس مسئلہ پر ٹھنڈے دل سے غور نہ کرے

۱۳ اپریل کی شام کو انجمن کی طرف سے ایک وفد شری آر این اگروال صدر دہلی میونسپل کمیٹی سے بھی ملا۔ شری میاں جی نے ہندی کے بے جا استعمال اور اردو کے ساتھ ناانصافی کے متعلق تحقیقات کرنے کا اور ضروری اقدام کرنے کا پورا یقین دلایا اور وفد کو پوری طرح مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

یوم اقبال نئی دہلی۔ ہائی کمشنر پاکستان کے دفتر گل رعنا میں ایک وسیع شامیانے کے نیچے ڈاکٹر علی اصغر حکمت سفیر ایران

کی زیر صدارت یوم اقبال کے سلسلے میں مجلس مقالات منعقد ہوئی جس میں جناب حسن علا مرزا محمود بیگ، پنڈت ہری چند اختر اور خواجہ غلام السیدین صاحب نے ڈاکٹر اقبال کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے ان کی مختلف خصوصیات پر تبصرہ کیا۔ اور کہا کہ جہاں اقبال ایک بلند پایہ مفکر اور مبصر تھے، وہاں وہ ایک فلسفی اور ایشیا میں آزادی کی تڑپ پیدا کرنے والے شاعر اعظم تھے۔ ڈاکٹر حکمت نے بھی اپنی افتتاحی تقریر میں علامہ اقبال کو خراج تحسین ادا کیا۔ رات کو ۱۱ بجے کل ریڈیو سے یوم اقبال کے سلسلے میں ایک مشاعرہ نشر کیا گیا جس میں پاکستان سے آئے ہوئے جناب سید جعفری، جناب شوکت تھانوی، جناب عشرت رحمانی، محترمہ زہرہ نگاہ، جناب ڈاکٹر علی اصغر سفیر ایران، جناب احسن لکھنوی، محترمہ ذکیہ سلطانہ نیر، جناب ساحر نظامی، جناب عرش ملسیانی، جناب درخشاں صدیقی، مولانا انور صابری، جناب بسمل سعیدی اور جناب مخمور دہلوی وغیرہ نے اپنا کلام سنایا۔ (نامہ نگار)

اردو کانفرنس. رائیدرگ (آندھرا)

۱۱ اپریل ۱۹۵۵ء رائل سیما (آندھرا) اور میسور اسٹیٹ کے مختلف علاقوں سے آئے ہوئے ہندو مسلم نمائندوں پر مشتمل اردو کانفرنس زیر صدارت ساہوکار جناب ایس عبدالرزاق صاحب رئیس بلہاری منعقد ہوئی۔ مجلس استقبالیہ کمیٹی جناب کے محمد غوث صاحب رئیس بلہاری نے اپنا مطبوعہ خطبہ پڑھا اور کہا۔

حضرات! میں نہایت مسرت کے ساتھ مجلس استقبالیہ اور اس علاقہ کے بہی خواہان اردو کی طرف سے آپ تمام صاحبان کو خوش آمدید کہتا ہوں۔

آپ پر یہ حقیقت روشن ہے کہ ہمارے اس علاقے میں جو لسانی مسائل اٹھ کھڑے ہوئے ہیں ان میں اردو زبان کی بقا و تحفظ کا موقف نازک ہو گیا ہے۔ جنوبی ہند کے تین بڑے لسانی علاقوں یعنی ٹمل ناڈ، کرناٹک بشمول میسور اور آندھرا میں جو عام طور پر یہ کہا جا رہا ہے کہ ابتدائی تعلیم صرف علاقائی زبان میں دی جائے گی۔ اس کا یہ مطلب ہوگا کہ آج کل ان تینوں لسانی علاقوں میں جو کئی ہزار اردو پرائمری و مڈل سکول ہیں، انھیں ختم کر دیا جائے گا۔ چنانچہ اس علاقہ کے پڑوسی اسٹیٹ میسور کے وزیر اعلیٰ نے کسی قدر مبہم الفاظ میں اس کی طرف اشارہ کیا تھا کہ تقریباً ایک ہزار اردو پرائمری سکول جو ریاست میسور میں اس وقت موجود ہیں انھیں حکومت باقی نہیں رکھے گی۔

آندھرا کے بعض حلقوں میں بھی ابتدائی تعلیم کے اردو سکولوں کے سلسلے میں بھی اسی قسم کے خیالات کا مبہم طریقے پر اظہار کیا جا رہا ہے حالانکہ ان تینوں لسانی علاقوں میں آباد لاکھوں باشندے ایسے ہیں جن کی مادری زبان اردو یا آنجہانی گاندھی جی کے مطابق ہندوستانی ہے۔ بالخصوص رائل سیما میں ان باشندوں کی تعداد کا اوسط معقول ہے جن کی مادری زبان اردو (ہندوستانی) ہے۔

رائل سیما کے جتنے بھی بڑے اور کاروباری شہر ہیں، ان میں ایک بھی شہر ایسا نہیں ہے، جہاں عام طور پر اردو بولی اور سمجھی نہ جاتی ہو چونکہ رائل سیما تلنگی، مرہٹی اور کنڑی زبانوں کے علاقوں کے درمیان واقع ہے اس لئے یہاں جب دو مختلف مادری زبان رکھنے والے افراد کے درمیان کاروباری ملاقات ہوتی ہے تو وہ اسی ہندوستانی میں ایک دوسرے سے مخاطب ہوتے ہیں۔

جنوبی ہند میں اردو درحقیقت مختلف زبان والوں کے درمیان اتحاد و بھائی چارے کا باعث بنی رہی۔ لہذا ضروری ہے کہ اس زبان کے بقا و تحفظ کے لئے ہم تمام لوگ مل جل کر کوشش کریں۔ اس کے ساتھ ہم بجا طور پر امید کرتے ہیں کہ آندھرا کی حکومت ان تمام علاقوں میں جہاں کم سے کم بیس بچے ایسے ہوں جن کی مادری زبان اردو ہے۔ ابتدائی مدارس کے قیام کی کوشش کرے گی۔

دستور ہند کی رو سے بچوں کو تعلیم دینا اسٹیٹ کے بنیادی فرائض میں شامل ہے۔ تعلیمات کے ماہرین کی یہ متفقہ رائے ہے کہ بچوں کو ابتدائی تعلیم ان کی مادری زبان میں دی جانی چاہیے۔ دستور کی رو سے تو یہ جانتی ہے کہ بچوں کی بنیادی تعلیم انکی مادری زبان میں ہی دی جائے۔ اگر ابتدائی تعلیم مادری زبان میں نہ دی گئی تو بچوں کی حالت یہ رہیگی تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ اس علاقہ کے ہزاروں بچے اپنی مادری زبان سے محروم ہو جائیں گے۔ بچوں کی تعداد کے سلسلے میں ہماری یہ رائے ہے کہ جنوبی ہند میں دستور میں بتائی ہوئی تعداد گھٹا کر بیس کر دی جائے جہاں کم سے کم بیس بچے ایک مادری زبان بولنے والے ہوں وہاں ایک ابتدائی مدرسہ اس زبان کا قائم کرنا چاہیے۔ اور جہاں تعداد بیس سے کم ہو وہاں علاقائی زبان کے ابتدائی اسکول میں ہی ایسے بچوں کے لئے جن کی مادری زبان علاقائی زبان سے مختلف ہو۔ مگر اس مقام میں اس غیر علاقائی زبان کے بولنے والے ہوں ایک استاد کا انتظام کرنا ضروری ہے۔ اردو زبان کے لئے ایسے اساتذہ سارے جنوبی ہند میں بکثرت مل سکتے ہیں جو اس علاقے کی زبان سے بخوبی واقف رہنے کے علاوہ اردو سے بھی واقفیت رکھتے ہیں۔

ملک کی ایک قومی زبان کی حیثیت سے اردو کی بڑی بہن ہندی کو جنوبی ہند میں پھیلانے کی جو کوششیں کی جا رہی ہیں انھیں کامیاب بنانے کے لئے یہ بہت ضروری ہے کہ اردو کو تقویت پہنچائی جائے۔ اگر اردو کو اس علاقے میں آہستہ آہستہ کر کے ختم کر دیا جائے گا تو پھر ملک کے اس حصے میں ہندی کو قومی زبان کا درجہ کبھی حاصل نہیں ہو سکے گا۔ اس سے ملک کو جو عظیم تر نقصان پہنچے گا وہ ناقابل بیان ہوگا۔

حضرات! کارکنان کانفرنس کی طرف سے میں آپ سے متوقع ہوں کہ اس علاقے میں اردو کے تحفظ و بقا کے لئے آپ اپنے قیمتی مشوروں سے ہمیں نوازیں گے۔ آخر میں میں آپ سے یہ التماس کرتا ہوں کہ

کہ آپ اپنے اپنے علاقے میں اردو کے تحفظ کے سلسلے میں جلد بہی خواہانِ اردو کو فوراً حرکت میں لے آئیں، بلکہ آندھرا کی مرکزی انجمن ترقی اردو سے ہدایات حاصل کرکے سرگرمِ عمل ہو جائیں۔

خطبہ استقبالیہ کے بعد افتخار الدین انصاری صاحب شریک معتمد رہنما دکن کرنول نے اردو زبان کی مقبولیت پر ایک مقالہ پڑھا، اور محمد خلیل الرحمٰن اردو لکچرر ویرا میسور کالج بلہاری نے اپنی تقریر میں کہا کہ جس زبان کو ہندی بتایا جاتا ہے اسے سنسکرت کے ثقیل الفاظ سے کچھ اس طرح بگاڑا جا رہا ہے کہ اس کا مقبول عام ہونا ناممکن نظر آ رہا ہے۔ اس کا یہ نتیجہ ہوگا کہ ہندی اور اردو (ہندوستانی) زبانیں کبھی جنوبی ہند کی حد تک قومی زبان کا درجہ حاصل نہیں کر سکیں گی۔

صدر کانفرنس نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ یہ عجیب بات ہے کہ جب ہندی کے حامی اردو کی مخالفت کرتے ہیں تو اردو زبان ہی کو اختیار کرتے ہیں، حتیٰ کہ پارلیمان اور کونسل آف اسٹیٹس میں اردو کی مخالفت کی جاتی ہے تو معزز ارکان اردو زبان ہی کا استعمال کرتے ہیں۔

کانفرنس میں حسب ذیل قراردادیں بہ اتفاق آرا منظور ہوئیں۔

(۱) رائیدرگ کی یہ اردو کانفرنس جو اس علاقے کے کثیر ہندوؤں اور مسلمانوں کی نمائندگی کر رہی ہے جناب بی گوپال ریڈی صاحب آندھرا کے وزیر اعلیٰ منتخب ہونے پر مسرت کا اظہار کرتی ہے۔ اور یہ کانفرنس آپ کی وزارت سے توقع رکھتی ہے کہ اس صوبے میں ہندی اور اردو (ہندوستانی) کی ترویج و اشاعت کے لئے اسی راستہ کو اختیار کرے جس کی نشان دہی گاندھی جی نے کی تھی۔ نیز جسے آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے اپنی قراردادوں میں منظور کر لیا ہے۔

محرک:- پی عبد الغفور

موید:- ایم۔ ایس۔ بابا۔

(۲) رائیدرگ کی یہ اردو کانفرنس آندھرا کی حکومت سے متوقع ہے کہ وہ سرکاری گزٹ اردو میں شائع کرے۔ چونکہ آندھرا کے جن باشندوں کی یہ مادری زبان اردو ہے اسی کے تاجر طبقہ اور عوام کے لئے حکومت کے روزمرہ احکامات اور قوانین سے واقف ہونے میں سہولت رہے۔

محرک:- افتخار الدین انصاری

موید:- کے جلیلی

(۳) رائیدرگ کی یہ اردو (ہندوستانی) کانفرنس آندھرا حکومت سے مطالبہ کرتی ہے کہ اسٹیٹ کے پرائمری اور مڈل اسکولوں میں ایسے اساتذہ مقرر کئے جائیں جو بیک وقت ہندوستانی زبان کے دونوں رسم الخط سے واقف ہوں تاکہ گاندھی جی کی خواہشات کے مطابق ہمارے اس اسٹیٹ میں ہندی (ہندوستانی) قومی زبان کا درجہ جلد حاصل کرے۔

محرک:- ایس ایم عبد القادر

موید:- اے قاسم

(۴) رائیدرگ کی یہ اردو کانفرنس ریاست میسور کے وزیر اعلیٰ کے اس بیان پر تشویش کا اظہار کرتی ہے جو انھوں نے میسور لیجسلیٹو کونسل کے حالیہ اجلاس میں اردو کے ابتدائی مدارس کے بارے میں دیا تھا۔ اردو کو کسی فرقہ کی زبان سمجھنا مہاتما گاندھی جی کے تسلیم شدہ اصولوں اور آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی منظور کردہ قراردادوں کے بالکل منافی ہے کیونکہ اردو ملک کے ہندوؤں، مسلمانوں، سکھوں، پارسیوں اور عیسائیوں کی مشترکہ میراث ہے۔

محرک:- اسعد اللہ خاں

موید:- محمد غوث

ادارۂ علم و ادب، علی گڑھ

علی گڑھ۔ قمر چھاندوی صاحب سکریٹری ادارۂ علم و ادب لکھتے ہیں کہ:-

۱۷ اپریل ۱۹۵۵ء کو ادارۂ علم و ادب علی گڑھ کے عہدیداران و ممبران مجلس عاملہ کا بالاتفاق انتخاب ہوا جو حسب ذیل ہے۔

محمد قمر صاحب بی۔ اے (آنرز)	صدر
محمد عمر خاں قمر چھاندوی	سکریٹری
سید ضیاء علی ضیاء مارہروی	ناظم دار المطالعہ
منشی سید محمد علی	خازن
اے۔ آر صاحب	آڈیٹر

مولوی محمد مقتدیٰ خاں شروانی۔ مولوی رفیق الدین جمیل احمد صدیقی۔ ڈاکٹر حافظ محمد حنیف مارہروی۔ مولوی سید ظہیر احمد زیدی۔ ڈاکٹر مولوی سید غیور احمد۔ راؤ قیصر علی خاں رشیق احمد خاں (اراکین)

میسور میں اردو کو ختم کرنے کی کوشش

ریاست میسور میں عرصہ سے حکومت کی طرف سے اردو کے مدارس جاری ہیں جن میں مسلمانوں کے علاوہ ہندو بھی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ اب ان اسکولوں کو اس بات کی آڑ لے کر بند کیا جا رہا ہے کہ ریاست میں فرقہ وارانہ اسکول قائم نہیں رہ سکتے۔ گویا حکومت کی نظروں میں وہ اسکول فرقہ وارانہ ہیں جہاں اردو پڑھائی جاتی ہے۔ حکومت میسور کے فیصلے کے مطابق ریاست میں ایک ہزار مدارس بند ہو جائیں گے جس سے پانچ ہزار اساتذہ کے بیکار ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ حکومت کے اس غیر دانشمندانہ اقدام سے ریاست کے مسلمان آئندہ اسکولوں میں اردو نہیں پڑھ سکیں گے۔ حالانکہ حکومت ہند کے قانون کے مطابق یہ ضروری ہے کہ جہاں ۲۵ لڑکے مادری زبان بولنے والے ہوں اس زبان کا مدرسہ کھولا جائے۔

حکومت میسور کے اس فیصلہ سے مسلمانوں میں بہت ناراضگی پیدا ہو گئی ہے۔ اور وہ تنگ دلانہ سلوک سے بہت پریشان ہیں۔ اس سے پہلے مسلم زنانہ اسکول کی گاڑیاں بند کر دی گئی تھیں۔ (نامہ نگار)

ادبی سنگم (علاقائی زبانوں کی انجمن) کا افتتاح

دہلی۔ گوپی چند نارنگ جوائنٹ سکریٹری ادبی سنگم دہلی تحریر فرماتے ہیں کہ "ادبی سنگم" دہلی یونیورسٹی کا افتتاحی جلسہ زیر صدارت آنریبل جسٹس بی۔ پی سنہا صاحب جج سپریم کورٹ "سنگم آفس" کے دلیری لین میں منعقد ہوا۔

جن حضرات نے اس جلسہ میں شرکت فرمائی ان میں مخصوص ادبا، شعرا اور اہل فکر کے نام یہ ہیں:۔ ڈاکٹر بشیشور پرشاد (ڈین) پرنسپل مرزا محمود بیگ، ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی۔ ڈاکٹر اوم پرکاش، ڈاکٹر سعید انصاری، ڈاکٹر اودے بان سنگھ، ڈاکٹر خورشید احمد فاروقی۔ ڈاکٹر سلامت اللہ۔ حضرت عرش ملسیانی، پنڈت ہری چند اختر، پروفیسر مس ودیا دتی، پروفیسر مسٹر سنگھ اور پروفیسر مسٹر گرگ۔

ابتدا میں ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی کنوینر نے فرمایا کہ "ایک ایسے ادبی سنگم یا علاقائی زبانوں کی انجمن کی ضرورت ہے۔ جہاں مختلف زبانوں کے لکھنے والے اکٹھا ہو سکیں۔ اور ان میں گہرا ربط اور تعلق پیدا ہو سکے ہمیں ان دیواروں کو توڑنا ہے جو ہمیں ایک دوسرے سے دور رکھتی ہیں ہمیں قریب آنا ہے اور ایک دوسرے کو سمجھنا ہے۔ اسی وقت ہم ایک نئے اور بہتر ہندوستانی سماج اور ایک نئے اور بہتر ہندوستانی ادب کو پیدا کر سکیں گے۔

آپ نے تقریر کو جاری رکھتے ہوئے مزید کہا کہ "الفاظ کا فرق اتنا اہم نہیں ہے جتنے وہ خیالات اہم ہیں جو ان الفاظ کے پیچھے ہیں۔ اگر ہم شکلوں پر قابو پالیں اور ہند آریائی اور دراوڑی زبانوں کے ادبیات کا مطالعہ کر سکیں تو معلوم ہوگا کہ ان مختلف قالبوں میں ایک ہی ہندوستانی روح ہے جو اس سرزمین کی ہر زبان اور ادب میں جاری و ساری ہے"۔

آپ نے فوائد الفواد کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ "ایک شخص نے حضرت بابا فرید شکر گنج کی خدمت میں قینچی پیش کی آپ نے فرمایا "مجھے تو سوئی دو۔ میں کاٹتا نہیں جوڑتا ہوں" یہی دراصل وہ بنیاد ہے جس پر عہد وسطیٰ میں دوستی اور اتحاد کی عمارت تعمیر ہوئی یہ میل جول یہ ہم آمیزی جس کا سرچشمہ موہنجداڑو سے پہلے پھوٹا تھا عہد قدیم اور عہد وسطیٰ کے میدانوں سے گزرتا ہوا اب تک رواں دواں ہے اور اسی کی مدد سے ہمیں آج اپنے کلچر کو سیراب کرنا ہے۔ یہ کہنا غلط ہے کہ ہمارے سامنے کوئی منزل نہیں ہمیں تہذیبی حلقوں کو توڑنا نہیں ہے ان میں زیادہ سے زیادہ ہم آہنگی اور رابطہ پیدا کرنا ہے اور ادبی سنگم ان ہی مقاصد کے پیش نظر قائم کیا گیا ہے"۔

اس کے بعد مسٹر پربھاکر ماچوے نائب سکریٹری ساہتیہ اکاڈمی حکومت ہند نے پچھلے تیس سال میں ہندوستانی ادب کے رجحانات اور میلانات کا جائزہ لیا اور بڑی مدلل اور پُر مغز تقریر کی۔

آپ کے بعد شری کرشن داس دلیلہ صاحب نے جو گاندھی سمارک ندھی کے سیوک ہیں اور جو برس ہا برس سے ہندوستانی زبانوں میں خیالات کا تقابلی مطالعہ کر رہے ہیں۔ نہایت شگفتہ اور موثر انداز میں مثالیں دے دے کر ہندوستان کی لسانی اور ثقافتی وحدت کو ثابت کیا۔

دلیلہ صاحب کی بصیرت افروز تقریر کے بعد حضرت عرش ملسیانی اور پنڈت ہری چند اختر نے غزلیں سنائیں۔ جن سے حاضرین بہت محظوظ ہوئے۔

آخر میں جسٹس بی پی سنہا صاحب نے صدارتی تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ ہندوستان کی تہذیب کی بنیادی خصوصیت اس کی عالمیت اور خیال اور فکر کی آزادی ہے جو اشوک کے زمانے سے ٹیگور اور مہاتما گاندھی کی تحریک تک برابر ملتی ہے۔ میری دعا ہے کہ ادبی سنگم، دلوں، زبانوں اور انسانوں کو ملانے کا بہترین وسیلہ ثابت ہو اور اس کے ذریعے اچھی اقدار جو ادب کی سرشت ہی پھیل سکتی ہیں۔ فروغ پائیں"۔

الہ آباد جمعیۃ علماء کانفرنس کے اجلاس میں زبان کے مسئلے سے متعلق حسب ذیل قرار دادیں منظور کی گئیں۔

جمعیۃ علماء کانفرنس الہ آباد اس حقیقت کے پیش نظر کہ ۲۲ لاکھ دستخطوں کی عظیم الشان مہم کی کامیابی ثابت کر چکی ہے کہ صوبے کے پڑھے لکھوں کی غیر معمولی اکثریت اردو کو صوبہ کی مادری زبان تسلیم کرتی ہے انجمن ترقی اردو کی کوششوں کی تحسین اور اردو کانفرنس بمبئی کی تجاویز کی تائید کرتی ہے۔

اور تمام محبان اردو سے عموماً اور جمعیۃ علماء سے تعلق رکھنے والوں سے خصوصاً اپیل کرتی ہے کہ ماہ جون میں چار لاکھ اردو پڑھنے والے بچوں کی [illegible] کی تجویز کو پوری سرگرمی سے امن پسندی سے کامیاب کریں۔

یہ کانفرنس حکومت سے بھی توقع رکھتی ہے کہ وہ متعلقہ کارپردازان محکمہ کو اپنے اعلان پر صحیح صحیح عمل کرنے کی ہدایت کرے گی اور محکمہ تعلیم کے تنگ نظر افسران کو بے اعتدالی اور غلط روی کا موقع نہیں دے گی۔

ہندوستان کے دستور اساسی میں ...... ہندوستان کے تمام باشندوں نے یہ طے کر لیا ہے کہ ہندوستان کی سرکاری زبان ہندی ہوگی اور پندرہ برس تک انگریزی زبان میں ملکی کاروائی ہو سکے گی۔ لیکن اس کے بعد

ہندی میں ہوگی۔ البتہ مختلف ریاستوں میں علاقائی زبان بھی نافذ رہے گی۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہر ہندوستانی بالعموم اور مسلمان بالخصوص اس آئندہ تبدیلی کے لئے ملک اور قوم کو تیار اور اردو زبان کے ساتھ ساتھ ہندی کی ترویج اور ترقی کے لئے پوری کوشش کریں۔"

افسوس

آفتاب جیسی کھلی ہوئی حقیقت کے پیش نظر کہ اردو ہندیونین کے بیشتر علاقوں بالخصوص صوبہ یو۔پی کے عام باشندوں کی زبان ہے جو بلا تکلف طبعی طور پر گھروں اور بازاروں میں بولی جاتی ہے۔ اور بائیس لاکھ دستخطوں کی تاریخی مہم کی کامیابی اس حقیقت ثابتہ کا آئینی ثبوت بھی پیش کر چکی ہے۔ صدر جمہوریہ کی خاموشی پر انتہائی حیرت و تعجب کا اظہار کرتی ہے کہ جس طرح دستور اساسی ہند کا نسٹی ٹیوشن میں اردو کو علاقائی زبانوں کی فہرست میں شامل کرکے حقیقت پسندی کا ثبوت دیا گیا ہے۔ اسی طرح ہندو مسلمانوں کی اس مشترک زبان کو یو۔پی کی ثانوی زبان قرار دے کر جلد از جلد انصاف پسندی کا ثبوت دیا جائے۔

اردو ہال حیدرآباد

بقول سرتیج بہادر سپرو آنجہانی اردو زبان ہندوؤں اور مسلمانوں کی تہذیب کا مشترکہ ورثہ ہے۔ پھر اس زبان کی لغت ایسی ہے کہ ہندوستان کی ہر بولی کے الفاظ اس میں شامل ہیں اور تہذیب اور تمدن اور آپس کے میل جول کی ترقی کے ساتھ اس میں اور الفاظ محاورے اصطلاحیں شامل ہونے کی گنجائش موجود ہے۔ تلفظ کے لحاظ سے بھی اس میں شرینی اور گھلاوٹ ہے۔

اردو ہندوستان کے ہر حصے میں تو سمجھی ہی جاتی ہے لیکن جب ہمارے طالب علم یا کاروباری لوگ یا سپاہی یورپ، مغربی ایشیا، شمالی افریقہ اور امریکی ممالک میں آپس میں ملتے ہیں تو وطنیت کے جذبے سے اسی زبان میں باتیں کرتے ہیں۔ اور باہمی محبت و اتحاد کا اظہار اسی زبان میں ہوتا ہے۔

شہر حیدرآباد اردو زبان کا ابتدا سے گہوارہ رہا ہے اور جنوبی ہند میں اب بھی وہ اردو کا اہم مرکز ہے۔ باوجود اس کے یہاں اب تک کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں اردو کا کام کرنے والے اپنی علمی و ادبی سرگرمیوں میں حصہ لینے کے لئے جمع ہو سکیں۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لئے اردو زبان کے چند حامیوں نے یہ محسوس کیا کہ شہر حیدرآباد میں ایک ایسے ہال کی جہاں اس زبان کا کتب خانہ بھی ہو۔ اور لکچر اور مشاعرے بھی ہو سکیں سخت ضرورت ہے۔

۱۱ اس خیال کو تقویت جناب حبیب الرحمٰن صاحب اور سجاد مرزا صاحب کی پرخلوص اور فوری تائید سے ہوئی۔ اول الذکر نے ایک وسیع قطعہ زمین ہال کی تعمیر کے لئے عنایت فرمایا۔ اور سجاد مرزا صاحب نے تعمیری کام شروع کرنے کے لئے پندرہ ہزار روپے کلدار عطا فرمائے اور چندے بھی وصول ہو رہے ہیں جن کی فہرست عنقریب شائع کر دی جائے گی۔ تعمیر کا کام شروع ہو چکا ہے اور اندازہ ہے کہ عمارت اور فرنیچر پر (۲۵۰۰۰) ہزار کلدار کے اخراجات عاید ہوں گے۔ اردو زبان کے بولنے والوں اور قدردانوں سے استدعا ہے کہ اس سماجی اور اخلاقی کام میں جس کا انجام دینا وقت کے تقاضے سے اور بھی ضروری ہو گیا ہے۔ خوش دلی اور بلند حوصلے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سے مدد فرمائیں۔

غلام یزدانی ۔ کے۔ این۔ داگھرے ۔ محمد احمد مرزا ۔ سعید جنگ ایم نرسنگ راؤ۔ سید محمد یونس ۔ کیقباد جنگ۔ محمد فضل الرحمٰن۔ عابد علی خاں ۔ جانکی پرشاد۔

صوبائی انجمن ترقی اردو کی توجہ کے لئے

شجاعت علی سندیلوی صاحب اپنے ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

لبتی کانفرنس میں جس جوش و خروش کے ساتھ اردو کی ترویج و اشاعت کے لئے تجاویز پاس کی گئی تھیں اس سے امید تھی کہ بہت جلد کوئی عملی قدم اٹھایا جائے گا۔ اور اردو تعلیم کے سلسلے میں جو دقتیں دانستہ طور پر حکام اور صدر مدرسان پیدا کر رہے ہیں۔ ان کو دور کرنے کی جدوجہد جاری ہو جائے گی۔ لیکن دو مہینے سے زائد عرصہ گزر گیا اور ابھی تک انجمن خاموش ہے۔ ۲۰ مئی کے بعد تمام کالج اور اسکول بند ہو جائیں گے۔ اس طرف کرنے کا کام یہ تھا کہ تمام حامیان اردو کی توجہ کم از کم حسب ذیل باتوں پر مبذول کراکے ان سے عملی قدم اٹھانے کی اپیل کی جاتی اور ان کی رہنمائی کی جاتی۔

(۱) بیسک اسکولوں میں طلبا کا داخلہ کم از کم چالیس طلبا ہر اسکول میں ایک وقت میں داخل کرانا

(۲) بیسک ریڈروں کی تصحیح و ترمیم کا مطالبہ۔ بیسک ریڈروں میں جو اسباق ہیں وہ شدھی کا پرچار کرتے ہیں اور ایک ہی فرقے کے مذہبی حالات پر مبنی ہیں۔ یہ کتابیں فوراً تبدیل ہونا چاہئیں۔

(۳) جونیر ہائی اسکول کے نصاب میں تبدیلی۔ نصاب کی رو سے جونیر درجات میں اردو نہیں لی جا سکتی۔ اس لئے اختیاری مضامین میں اضافہ ہونا چاہئے۔ اور اس کا سرکلر جاری ہونا چاہئے۔

نئی کتابیں

حسن مثنیٰ انور علیگ۔ کچھوچھوی

ابوعلی ابن سینا

مولف:- ڈاکٹر تاج الدین
ناشر:- مسلم ایجوکیشنل ایسوسی ایشن، جنوبی ہند۔
قیمت ایک روپیہ۔

مسلم ایجوکیشنل ایسوسی ایشن جنوبی ہند، کی گولڈن جوبلی" کے موقع پر مشہور حکیم اور فلسفی ابوعلی ابن سینا کی ہزار سالہ یادگار منائی گئی اس موقع پر ڈاکٹر تاج الدین صاحب کی یہ کتاب انگریزی زبان میں شائع کی گئی جس میں ابوسینا کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے

ابوسینا کا نام علمی دنیا میں غیر معروف نہیں ہے۔ اس کی اجتہادی کاوشیں دنیا کے تقریباً سارے علوم وفنون پر اثر انداز ہوئیں اور اس نے یورپ کو بالخصوص نئے افکار و تجربات سے روشناس کیا۔ ابوسینا کو ادب اور فقہ کی تعلیم نے ایک نظم اور موثر نقطہ نظر دیا۔ اور علم ریاضی، اقلیدس، نجوم، الٰہیات، لسانیات، طب اور فنون لطیفہ وغیرہ سے اس کے جسم و اذہان کی نشوونما ہوئی۔ اور ۱۷ سال کی عمر میں ان تمام علمی مراحل سے گزرکر اس نے حکمت و طبابت کا محبوب مشغلہ اختیار کیا۔ مگر علمی تشنگی نے اسے قانع ہونے نہ دیا۔ اور بالآخر اس نے اکیس سال کی عمر سے تصنیف و تالیف کا ... سلسلہ شروع کردیا جس کا خوشگوار اور حیرت انگیز نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے مختلف علوم مثلاً طبعیات، کیمیا، طب، فن جراحی، نفسیات، منطق، فلسفہ، ریاضی اور موسیقی وغیرہ پر کم وبیش (۲۷۰) کتابیں تصنیف کیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی دانشوروں کے حلقے میں اس کا نام عزت و احترام سے لیا جاتا ہے۔

ڈاکٹر تاج الدین صاحب لائق مبارکباد ہیں کہ انھوں نے ابوسینا کی زندگی کے حالات اور اس کے عظیم ترین کارناموں کو پیش کرکے علمی دنیا کو فکر و تحقیق کی دعوت دی، اور مسلم ایجوکیشنل ایسوسی ایشن کا یہ مبارک اقدام ہے کہ اس نے اسلام کے ایک عظیم مفکر وفلسفی کی یادگار منا کر اپنا ایک اہم منصبی فرض ادا کیا۔ اس کتاب کا مطالعہ کالج اور یونیورسٹی کے طلبا کے لئے مفید اور سود مند ہوگا۔

مسلم ایجوکیشنل ایسوسی ایشن گولڈن جوبلی کی یادگار

یہ کتاب مسلم تعلیمی انجمن، جنوبی ہند کی جانب سے انگریزی زبان میں شائع کی گئی ہے جس میں انجمن کی پچاس سالہ (۱۹۰۳ء تا ۱۹۵۳ء) زندگی کے کارہائے نمایاں اور قابل فخر خدمات کا تذکرہ ہے۔ اس کے دو بڑے حصے ہیں، پہلے حصے میں ملک کے مشہور ومعزز ارباب دانش وحکومت کے حوصلہ افزا پیغامات کے علاوہ انجمن کے قیام واستحکام کی ایک مکمل تاریخ بھی ہے۔ اور دوسرے حصے میں ضمیمہ کے طور پر چند عظیم شخصیتوں کے حالات زندگی اور انجمن کے قائم کردہ ادارے عربی مدارس، اور مختلف کالجوں کی وسعت وترقی کی تفصیل ہے کتاب کے ظاہری محاسن کو فروغ دینے کیلئے انجمن تقریباً سارے صدور اراکین اور مربیان کی تصویریں بھی ہیں جن کے خدوخال آہنی عزم اور جذبۂ قوم پروری کی غمازی کرتے ہیں۔

یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں کہ ایک ملک یا قوم کی ذہنی اور مادی ترقی کا انحصار تمام تر تعلیمی ماحول پر ہوتا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ ہندوستان میں جاگیردارانہ نظام کے اثرات نے عوام کو بڑی حد تک تعلیم سے محروم رکھا۔ یہی وجہ تھی کہ انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستانیوں خصوصاً مسلمانوں کو ہیبت ناک زوال و انحطاط سے دوچار ہونا پڑا جس راز کی عقدہ کشائی سب سے پہلے سرسید مرحوم نے کی۔ اور حالات کا جائزہ لے کر مسلمانوں کی اصلاح و ترقی کے لئے انگریزی اور دینی تعلیم کی ترویج واشاعت کو لازمی قرار دیا جس کے نمایاں شواہد محمڈن اورینٹل کالج، اور آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے بنیادی مقاصد ہیں۔

مرحوم سرسید کی یہ تحریک ہندوستان کے کسی مخصوص علاقے سے متعلق نہ تھی بلکہ اس کے نصب العین میں ایک ملک گیر تعمیری پروگرام تھا۔ اور اس کا نتیجہ قدرتی طور پر یہ ہوا کہ یہ اصلاحی تحریک شمالی ہند کی حدود سے نکل کر جنوبی ہند میں پہنچی، اور وہاں کے لوگوں نے اس کا پرتپاک خیر مقدم کیا اور دسمبر ۱۹۰۱ء میں آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا پہلا اجلاس مدراس میں منعقد ہوا۔ اور ۱۹۰۳ء میں مسلم ایجوکیشنل ایسوسی ایشن، کا قیام عمل میں لایا گیا اور ۱۹۵۳ء تک اس نے بہت سے نمایاں کام انجام دئے۔ فروری ۱۹۵۴ء میں ایسوسی ایشن کی گولڈن جوبلی منائی گئی۔ اسی موقع پر گولڈن جوبلی کی یادگار کو تازہ رکھنے کے لئے مسلم ایجوکیشنل ایسوسی ایشن کے پچاس سالہ احوال وکوائف کتاب کی شکل میں جمع کردئے گئے۔ جنھیں دیکھ کر حوصلوں کی پرواز کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔

جنوبی ہند کے حضرات قابل صد فخر و مبارکباد ہیں جن کی بے لوث خدمات اور بے شمار قربانیوں نے مسلم قوم میں بیداری وعلوہمتی کا جذبہ پیدا کیا اور آج بھی مسلمانوں کے لئے نشوونما کا خوشگوار تعلیمی ماحول حاصل ہے۔ یہ کتاب بلاشبہ مستقبل کے عروج و اقتدار کی نشان دہی کرتی ہے۔ اس کتاب کو اگر اردو زبان میں بھی منتقل کردیا جائے تو اس کی اشاعت سے ملک کے مختلف گوشوں کے اصحاب بھی استفادہ کرسکیں گے!

پرنٹر پبلشر:- قاضی عبدالغفار نے نیشنل پرنٹرس کمپنی میں چھپوا کر مرکزی انجمن سے شائع کیا۔